تصوّف کی حقیقت

علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم ملک کی ایک سیاسی شخصیت کے طور پر پہچانے جاتے تھے لیکن ان کا یہ خاص علمی ذوق بھی تھا کہ وہ مختلف فرقوں کے بارے میں برابر مطالعہ کرتے رہتے اور پھر اپنے مطالعہ کا نچوڑ اعلیٰ تحقیقی کتابوں کی صورت میں پیش کرتے۔ ان کی تحقیق کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے ہر فرقہ کی اپنی کتابوں پر اعتماد کیا اور ان کے اقتباس نقل کرنے میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا۔ انھوں نے بیشتر عربی زبان میں لکھا اور عربوں کو مختلف فرقوں سے خوب روشناس کرایا۔ اسی سلسلہ کی ایک کتاب ”التصوف“ بھی ہے جسے ادارہ ترجمان السنہ ۷۵۔۴ شادمان لاہور نے شائع کیا ہے۔

تصوف ایک عالمگیر طرز فکر اور طرز عمل ہے جس کا وجود ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق کسی بھی براعظم سے ہو۔ جہاں تک مسلمان صوفیا کا تعلق ہے وہ صرف ہمارے ملک کے مختلف حصوں ہی میں نہیں ہوتے بلکہ آپ جس اسلامی ملک میں چلے جائیں وہاں آپ کو خانقاہی سلسلے بھی ملیں گے، پیروں فقیروں سے بھی سابقہ پیش آئے گا۔ مزاروں پر لوگوں کا جمگھٹا بھی ہوگا اور عرسوں کے مواقع پر آپ صوفیوں کے طور طریقوں کا مشاہدہ بھی کریں گے۔ کہیں قوالیاں ہوں گی، کہیں رقص اور دھمال کا انتظام ہوگا اور چلّہ کشیوں اور اوراد و وظائف کا تذکرہ تو آپ کو ہر جگہ ملے گا۔ بڑے سے بڑے روشن ضمیر صوفی کی کتابیں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ اسلام میں شریعت اور طریقت کی دو شاخیں مانتے ہیں۔ اول الذکر کو چھلکے سے تشبیہ دیتے ہیں اور اس کا وارث علماء کو سمجھتے ہیں۔ طریقت کو اصل مغز مانتے ہیں اور اس کے اجارہ دار وہ خود ہیں۔ قرآن و سنت کو ان کے

ہاں وہ اہمیت حاصل نہیں جو اہمیت ان کے اپنے سلسلہ کے طریقوں کو حاصل ہے۔ صوفیاء کے ساتھ عوام الناس کو بڑی عقیدت ہے۔ ان کی ثقافتی سرگرمیوں کا بہت سا تعلق مزارات کے ساتھ ہے اور وہ اسلام کی جس تعبیر سے واقف ہیں اس میں تصوف کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اس لیے وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اسلام کی صحیح تعبیر اس سے کتنی مختلف ہے۔

علامہ صاحب نے اپنی کتاب میں یہ بتایا ہے کہ تصوف کب وجود میں آیا، اس کے بانی مبانی کون تھے اور اس کے افکار و نظریات اور طور طریقے کہاں سے اخذ کیے گئے ہیں ان کے نزدیک صوفی کا اطلاق سب سے پہلے جن اشخاص پر ہوا وہ جابر بن حیان، عبدک اور ابو ہاشم کوفی تھے۔ جابر اور ابو ہاشم دونوں کوفی شیعہ تھے۔ عبدک کا تعلق مصر سے تھا اور وہ بھی موروثی امامت کا قائل تھا۔ یہ تینوں اپنے عہد میں زندیق کہلائے۔ ان کے سال وفات دوسری صدی ہجری کے نصف آخر اور تیسری صدی کے اوائل میں پڑتے ہیں۔ اس لیے اہل تحقیق کے نزدیک تصوف تیسری صدی میں روشناس ہوا ہے۔ صوفیاء خود اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کے صحابہ کرامؓ اور سلف صالحین کے دور میں صوفی اور تصوف کے الفاظ موجود نہ تھے۔ اس پاکیزہ دور میں لوگوں کو مسلم، مومن، زاہد، عابد، وغیرہ صفات سے پہچانا جاتا تھا جن کے مفہوم سے لوگ بخوبی واقف تھے۔

مسلم معاشرے میں تصوف کا آغاز کیسے ہوا؟ اس ذیل میں فاضل مصنف نے تین آراء بیان کی ہیں۔ خود صوفیاء کے نزدیک تصوف زہد کا دوسرا نام ہے جو ایک معروف اسلامی اخلاق ہے۔ اسی کی تربیت کے نظام کو تصوف کا نام دیا گیا۔ البتہ بعد میں اس میں اجنبی فلسفے بھی داخل ہو گئے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ تصوف کو اسلام سے دور نزدیک کا کوئی تعلق نہیں جس طرح یہ نام اجنبی ہے اسی طرح اس کا مسلک بھی اسلام کیلئے اجنبی ہے لہٰذا قرآن وسنت میں اس کی بنیادیں تلاش کرنا ایک بیکار کام ہے۔ اہل سنت کے بہت سے فقہاء و متکلمین اور مستشرقین کی اکثریت اسی رائے کی حامل ہے۔ تیسری رائے کے مطابق تصوف مختلف مذاہب کے افکار و نظریات کا ایک ملغوبہ ہے۔ اس میں جہاں اسلام کی بعض باتیں لی گئی ہیں وہیں یہودیت، عیسائیت، مانویت، مزدکیت،

مجوسیت، بدھ مت، جین مت، ہندو مت اور فلسفہ یونان سے بھی خیالات لیے گئے ہیں اس رائے کو بعض صوفیا نے خود بھی بیان کیا ہے۔ فاضل مصنف اسی آخری رائے کے حامل ہیں۔ ان کے نزدیک تصوف میں خانقاہ کا تصور یہودیوں سے، رہبانیت کا تصور عیسائیوں سے، برہمنی نظام ہندوؤں سے، ترک دنیا کی تعلیم بدھ مت سے اور فکر مجوس اور یونانی فلاسفہ سے لی گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے ساتھ ان تصورات کو ملا کر تصوف کی داغ بیل ڈالی گئی۔

فاضل مصنف نے اپنی رائے کے حق میں دلائل کا ایک انبار لگا دیا ہے مثلاً ان کے نزدیک مشہور صوفی ابراہیم بن ادہم کے تخت حکومت سے فرار اور گوتم بدھ کے ترک حکومت میں گہری مشابہت ہے صوفیوں کا مخصوص لباس اور ہیئت کذائی راہبوں کی طرح ہے۔ ان کی لاہوت اور ناسوت کی اصطلاحیں عیسائیوں سے آئی ہیں اور دنیا سے دُور بھاگنا، شادی کو جنجال سمجھنا اور اپنے اوپر خدا کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینا رہبانیت کا اثر ہے۔ صوفیا میں اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرنا، فاقے کرنا، مراقبہ کرنا اور سانس روکنے کا عمل ہندو جوگیوں سے آیا ہے۔ جنید بغدادی کا قول ہے کہ ہم نے تصوف قیل وقال سے نہیں بلکہ فاقہ کشی، ترک دنیا اور مرغوب سے اجتناب کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ سہل تستری کا قول ہے کہ ابدال پیٹ کو خالی رکھنے، راتیں جاگنے، خاموشی اختیار کرنے اور تنہا رہنے سے بنتے ہیں۔ جوگیوں کے اثر کے تحت بعض صوفی غاروں میں کھانے و پوشاک سے بے پروا رہتے رہے ہیں اور ان میں سے بعض مانگ کر کھانے کو نیکی سمجھتے رہے ہیں۔ مصنف کے نزدیک آپ شری شنکراچاریہ کی ویدانت کی بحث پڑھیے اور پھر حلاج، ابن عربی اور جلال الدین رومی کے وحدت الوجود اور حلول کے فلسفہ کو پڑھیے تو کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ نروان حاصل کرنے کے لیے بدھوں کا گیان دھیان اور صوفیوں کی توجہ اور مراقبہ ایک ہی نوعیت کی چیزیں ہیں۔ معرفت، فیض المحبت اور اشراق کے فلسفے نوافلاطونیت کی پیداوار ہیں۔ اہل فارس نے تصوف کے پھیلانے میں جو مستعدی دکھائی ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ اولین صوفیوں۔ ابراہیم بن ادہم، شفیق بلخی، بایزید بسطامی، یحییٰ بن معاذ رازی، سب کا تعلق اسی سرزمین سے ہے اور تصوف کا اہم مرکز خراسان رہا ہے۔ جو اسلام سے قبل بھی مختلف مذاہب

اور ثقافتوں کے باہم ملنے کی جگہ تھی۔

امتِ مسلمہ کے اندر زہد اور تربیتِ اخلاق کے نام پر غیر اسلامی افکار اتنے منظم طریقے سے کس طرح داخل ہو گئے؟ اس بارے میں علامہ صاحب کا خیال یہ ہے کہ شیعہ مذہب کے پھیلاؤ کی راہ میں امت کے اندر پائی جانے والی عصبیت ایک رکاوٹ بنی ہوئی تھی جس کے باعث شیعیت کا اثر محدود تھا۔ شیعوں نے تصوف کی آڑ میں اپنے نظریات پھیلائے اور مسلمانوں نے صوفیوں کی ظاہری نیکی کو دیکھتے اور ان کو اہل اللہ سمجھتے ہوئے ان پر اعتماد کیا۔ اس طرح جو مقصد شیعہ اپنی سیاسی تنظیم سے حاصل نہ کر سکتے تھے وہ انھوں نے تصوف کے ذریعے حاصل کیا۔ اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے مصنف نے بڑے مسکت دلائل فراہم کیے اور صوفیاء اور شیعہ مصنفین کے خیالات کا تقابل کر کے دکھایا ہے کہ تصوف شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے ہمارے نزدیک یہ تجزیہ بالکل حقیقت پر مبنی ہے یہی وجہ ہے کہ صوفیا کے رائج کردہ اسلام اور شیعیت کے نظریات میں بڑی ہم آہنگی پائی جاتی ہے جس کا مشاہدہ ہم اپنے ملک میں کر سکتے ہیں۔

علامہ صاحب کی پہلی دلیل یہ ہے کہ تصوف کے سلسلوں کا آغاز، الا ماشاء اللہ، حضرت علیؓ سے ہوتا ہے جو شیعہ کے پہلے امام ہیں۔ صوفیا کا دعویٰ ہے کہ تمام صحابہ میں حضرت علیؓ چونکہ سب سے بڑے زاہد تھے اس لیے وہ اہلِ تصوف کے امام ہیں۔ حقیقت یہ نہیں مصنف نے بتایا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی سب سے زیادہ زاہدانہ تھی، ان کی وفات ہوئی تو کوئی دینار و درہم ترکہ میں نہ چھوڑا۔ ان کے کفن کے لیے ان کے مستعمل کپڑے ہی استعمال میں لائے گئے حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے لباس پر پیوند ہی پیوند نظر آتے تھے۔ سفرِ حج پر گئے تو خیمہ میسر نہ تھا۔ اپنی چادر کسی درخت پر پھیلا دیتے اور اس کے سائے میں آرام کرتے۔ مرتے وقت وصیت فرمائی کہ گھر کا سامان بیچ کر وہ مال بیت المال کو لوٹا دیا جائے جو بطور خلیفہ وہاں سے لیا گیا تھا اگر یہ ناکافی ہو تو ان کے قبیلہ بنی عدی سے اپیل کی جائے کہ وہ اس میں امداد دیں۔ اس کے بالمقابل حضرت علیؓ نے چار بیویاں، انیس ام ولد کنیزیں، چوبیس لڑکے لڑکیاں اور متعدد خدام چھوڑے جن کے پاس زمین کے وسیع قطعات تھے جن کی آمدنی سے وہ بسہولت

زندگی بسر کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کے بعد انہی کی نسل کے کئی افراد اہل تصوف کے شیخ بھی کہلائے اور شیعوں کے امام بھی محمد باقر، جعفر صادق، موسیٰ کاظم اور علی رضا تک یہ سلسلہ پہنچتا ہے اس کے تصوف کے اکابر معروف کرخی، سری سقطی، داؤد طائی اور جنید بغدادی آتے ہیں معروف کرخی نو مسلم تھے جو علی رضا کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ دوسرے ان کے دوست یا رشتہ دار تھے۔ شفیق بلخی موسیٰ کاظم کے اور بایزید بسطامی جعفر صادق کے شاگرد تھے حسن بصری کو حضرت علیؓ کا شاگرد بتایا جاتا ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک ان کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت نہیں۔ پس تصوف کے سلسلوں کا آغاز جن لوگوں نے کیا وہ تمام شیعہ اماموں کے پروردہ لوگ تھے۔ لہٰذا اہل تصوف کے افکار میں شیعی معتقدات کا اثر نہایت نمایاں نظر آتا ہے۔ مثلاً۔

(ا) شیعہ کے نزدیک اماموں کو وہ روحانی کمالات حاصل ہوئے ہیں جو کسی مقرب فرشتہ اور نبی کو بھی حاصل نہیں ہوتے۔ چنانچہ جعفر صادق کا قول نقل ہوا ہے کہ اگر میں موسیٰ و خضر کے ساتھ موجود ہوتا تو ان کو بتاتا کہ میں ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ اسی عقیدہ کو خمینی نے اپنی کتاب ولایت فقیہہ میں بدیں الفاظ بیان کیا ہے "ہمارے مذہب کی ضرورت میں سے یہ بات ہے کہ کسی شخص کو اماموں کے معنوی و روحانی کمالات حاصل نہیں ہو سکتے، حتیٰ کہ کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی ان کو نہیں پا سکتا۔ ہمارے ہاں یہ روایت موجود ہے کہ عالم کے وجود میں آنے سے قبل امام عرش کے سایہ میں بصورت نور موجود تھے"۔ یہی بات صوفیا کہتے ہیں ان کے نزدیک اولیاء کو وہ تمام خصوصیات حاصل ہوتی ہیں جو انبیاء کو حاصل ہیں۔ اولیاء ملائکہ کو دیکھتے اور ان سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ شیخ الجیلی نے دعویٰ کیا کہ انھیں معراج ہوئی انھوں نے سدرۃ المنتہیٰ اور رب کی تجلیات کا مشاہدہ کیا۔ شیخ تاج الدین سے جب کچھ پوچھا جاتا تو کہتے ذرا صبر کرو، جبریل کو آ لینے دو۔ ابوالحسن خرقانی، ابن عربی اور کئی اور صوفیاء نے بھی اپنے سفر معراج کا ذکر کیا ہے۔

(ب) جس طرح شیعہ امام، غیب تک رسائی رکھتے ہیں اسی طرح صوفیاء کا دعویٰ ہے کہ جب حجاب دور ہو جاتے ہیں تو ہر وہ چیز روشن ہو جاتی ہے جو لوح محفوظ میں چھپی ہوتی ہے۔ اور قطب کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ وہ عرش، کرسی، آسمانوں، زمینوں

اور تمام لوگوں کے نام و نسب، عمر اور اعمال تک سے واقف ہوتا ہے۔

(ج) شیعہ امام انبیاء کے مساوی ہیں بلکہ ان کو انبیاء پر فوقیت حاصل ہے اسی طرح صوفیا کا عقیدہ یہ ہے کہ اولیاء انبیاء پر فضیلت رکھتے ہیں۔ بایزید بسطامی کا قول ہے کہ ہم ان سمندروں میں کود گئے، انبیاء جن کے ساحلوں پر کھڑے رہ گئے۔ اور اے گروہ انبیاء لقب تو تمہیں مل گیا لیکن عطا ہمیں وہ کچھ ہوا ہے جو تمہیں نہیں دیا گیا۔ بسطامی کا یہ دعویٰ بھی نقل ہوا ہے کہ اللہ کی قسم، میرا جھنڈا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے سے بڑا ہوگا۔ یہ نور کا ہوگا اور اس کے نیچے جن و انس ہوں گے جو سب کے سب نبی ہیں۔ ابن عربی کا قول ہے کہ رسول کے پاس صرف ظاہری علم اور شریعت ہوتی ہے جب کہ ولی کے پاس علم شریعت و علم طریقت دونوں ہوتے ہیں۔ نبوت و رسالت نبی و رسول کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتی ہے جب کہ ولایت اس طرح منقطع نہیں ہوتی۔

(د) شیعہ کے نزدیک امام معصوم ہوتے ہیں۔ یہی دعویٰ صوفیا کا اولیا کے متعلق ہے اور ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ اسی بنا پر صوفیا کسی مرید کے لیے یہ جائز نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے شیخ کے کسی فعل پر انگلی اٹھائے خواہ وہ کتنا خلاف شریعت ہو۔

(ھ) شیعہ کے نزدیک زمین کبھی امام سے خالی نہیں ہو سکتی اور صوفیاء کے نزدیک زمانہ کسی ولی کامل کے بغیر نہیں ہوتا۔ اقطاب، اوتاد، ابدال وغیرہ دنیا کا انتظام سنبھالے ہوئے ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

(و) شیعہ کا عقیدہ ہے کہ جس شخص نے امام زمانہ کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ صوفیا کے ہاں یہ عقیدہ اس طرح موجود ہے کہ جو شخص کسی شیخ کی اطاعت کا قلادہ گردن میں ڈالے بغیر رہے گا۔ اس کا امام شیطان ہوگا۔ نیز شیخ کے بغیر اللہ کی عبادت ایسے ہی ہے جیسے غبار جو اڑ گیا۔

(ز) شیعہ اور صوفیا دونوں اپنے اماموں اور شیوخ کو ایک جیسے خطابات سے نوازتے ہیں۔

(ح) شیعہ اور صوفیا دونوں میں حلول اور تناسخ کا دعویٰ پایا جاتا ہے، دونوں شریعت کے ظاہر و باطن کو مانتے ہیں، دونوں تقیہ سے کام لیتے ہیں۔

(ط) شیعہ اور صوفیا دونوں اس بات کو مانتے ہیں کہ شریعت کو منسوخ کیا جا سکتا ہے چنانچہ صوفیا بر ملا اپنی کتابوں میں اپنے عشق و محبت کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ کئی صوفی علانیہ رمضان المبارک کی بے حرمتی کرتے ہیں اور شریعت کے احکام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے مراتب اتنے بلند ہو چکے ہیں کہ شریعت کی پابندی سے انہیں آزاد کر دیا جاتا ہے۔

ان دلائل کو بیان کرنے میں علامہ صاحب نے نہایت کثرت سے کئی کتابوں سے استشہاد کیا ہے اور پورے حوالے نقل کیے ہیں انھوں نے اپنی کتاب کو ایک مستشرق محقق براؤن کی تحقیق کے اس خلاصے پر ختم کیا ہے کہ شیعیت اور تصوف وہ دو اسلحہ تھے جن سے فارس نے عربوں کے ساتھ جنگ کی۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف ایک الگ نظام حیات ہے۔ اس کے اپنے اصول اور قواعد ہیں۔ اس کی الگ بنیادیں ہیں اس کو زہد کا نام نہیں دیا جا سکتا کیونکہ زہد میں ترکِ دنیا نہیں بلکہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ زہد شریعت کے احکام کی فرمانبرداری کی تعلیم دیتا ہے، وہ حرام کاموں میں پڑنا نہیں سکھاتا زہد کتاب وسنت پر مبنی ہے جب کہ تصوف نے نہ جانے کہاں کہاں سے فکر جمع کر کے ایک نئے طرزِ حیات کی طرح ڈالی ہے جس میں ہر شخص خالق کے اوصاف اپنانے کا دعویٰ کرتا ہے۔

خریدار حضرات کو "مجلہ ترجمان السنہ" کا
علامہ ظہیر نمبر معمول میں ارسال کیا جائے گا۔
دیگر احباب
کیلئے اس کی قیمت مبلغ ۴۰ روپے ہوگی

○○○

اس خصوصی نمبر کیلئے مقالات یکم فروری تک پہنچنے ضروری ہیں۔ ادارہ